شمالی امریکہ میں "جماعتِ اسلامی" کا قیام

از جناب کوکب صدیقی صاحب، کینیڈا

سرمایہ دارانہ نظام ایک ناگزیر تاریخی عمل کے تحت سوشلزم اور کمیونزم کو جنم دیتا ہے۔ کم از کم کارل مارکس نے انسانیت کے ارتقاء کے بارے میں جو افسانہ لکھا تھا اُس میں یہی درج ہے۔ اگر اس کہانی کا حقیقت سے کوئی تعلق ہوتا تو شاید امریکہ کے عوام کے لیے بھی تبدیلی کی امید پیدا ہو جاتی لیکن یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ مزدور طبقہ اور اُس کی نمائندہ تنظیمیں پوری قوم میں سب سے زیادہ رجعت پسند ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا معاشی اور معاشرتی نظام مادہ پرستی اور ڈالر کے بندھنوں میں اتنی مضبوطی سے بندھا ہوا ہے کہ مظلوم طبقوں کے لیے بظاہر کوئی امید نظر نہیں آتی۔ پسے ہوئے طبقوں میں سب سے بڑا اور اہم گروہ آبادی کا افریقی الاصل امریکی عنصر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں یہاں حقارت سے نیگرو یا نگر کہا جاتا ہے۔ انہی کے خون پسینے پر پچھلی صدیوں میں امریکی تہذیب کی عمارت قائم کی گئی تھی

ایفرو امریکی آبادی کی تاریخ استحصال، ظلم اور زیادتی سے عبارت ہے۔ افریقی نسل کے لوگوں کو امریکی معاشرے میں جذب کرنے اور انہیں گورے لوگوں کے برابر حقوق دلوانے کی کئی کوششیں امریکی حکومت کی طرف سے ہو چکی ہیں لیکن یہ سب مکمل طور پر ناکام رہیں۔ مادہ پرستی فطری طور پر انسان کی خود غرضی کو اُبھارتی ہے۔ روحانی اقدار کی نفی ہو جانے کی وجہ سے تنگ نظری، نسلی تعصب اور کئی قسم کی عصبیتوں کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ امریکہ عیسائیت کا سب سے بڑا علمبردار ہے لیکن خود اس کی حدود میں عیسائیت ناکام ہو چکی ہے اور افریقی نسل کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے لیے تو بالکل بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔ امریکی حکومت نے اس ناکامی کا اظہار اس طرح کیا کہ ایک اسکیم پیش کی گئی جس کے تحت کالے لوگوں کو واپس افریقہ جا کر بس جانے کے لیے مالی امداد اور قرضے دیے جاتے تھے!

افریقی امریکی لیڈر نوبل پرائز یافتہ مارٹن لوتھر کنگ نے کالے رنگ کی آبادی کو گوروں کے برابر حقوق دلانے کی کوشش کی تھی۔ یہ لیڈر عیسائی مذہب کے تحت اخوت چاہتا تھا۔ لیکن طریقِ کار خالص مادہ پرستانہ تھا۔ بالآخر ایک شخص نے کنگ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس سے ثابت یہ ہوا کہ ذہنی تبدیلی سے پہلے انسانی اخوت اور برادری ممکن نہیں۔ کنگ کی موت نے کالے رنگ کے امریکیوں میں نسلی ردِ عمل پیدا کیا اور ان کالے گروہوں کو تقویت ہوئی جو کالوں کو ہر قیمت پر گوروں سے علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ان گروہوں میں نام نہاد "کالے مسلمان" BLACK MUSLIMS اور کالے چیتے BLACK PANTHERS جو مارکسی عقائد رکھتے ہیں دونوں شامل ہیں۔ ان کا اپنا ذیلی کلچر اور طرزِ حیات ہے اور یہ ایسے پرچے بھی بڑی تعداد میں شائع کرتے ہیں جن کا مقصد کالی نسل پرستی کو فروغ دینا ہے۔

شروع شروع میں ان گروہوں کا زور بہت بڑھ گیا تھا لیکن آہستہ آہستہ پسے ہوئے طبقوں کو یہ احساس ہوا کہ سوشلسٹ ہوں یا "کالے مسلمان"، ہر دو گوری اکثریت کا ہاتھ بٹا رہے ہیں اور افریقی نسل کے لوگوں کو اسی پوزیشن میں رکھنا چاہتے ہیں جو گوری اکثریت کو منظور ہے۔

دنیا بھر کے آزاد ممالک کی طرح امریکہ میں بھی مارکسی عقائد رکھنے والے سوشلسٹوں کو اپنا کام کرنے کی پوری آزادی ہے۔ یہ لوگ کمیونسٹ ممالک مثلاً کیوبا سے امداد حاصل کرتے ہیں اور مظلوم طبقوں کے حامی بن کر سامنے آتے ہیں۔ دوسرے ممالک کی طرح یہاں بھی امریکی سیاسی مشینری ان بائیں بازو کے لوگوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ مثلاً یہاں کے کالے سوشلسٹوں نے تشدد کا زبردست پرچار کیا اور کالی آبادی کے اندر دبی ہوئی بے چینی کو ابھارا لیکن تشدد کا سارا نقصان کالی آبادی کو ہوتا ہے کیونکہ حکومت کی مسلح قوت کا مقابلہ اقلیت نہیں کر سکتی۔ سوشلسٹوں کی محنت کا سب سے بڑا فائدہ گورے نسل پرستوں کو ہوا کیونکہ تشدد نے نسلی عناد اور دوری کو اور مستحکم کر دیا۔

امریکی عوام پر اب بڑی حد تک یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ امریکی تہذیب اور سوشلزم ہر دو میں نسلی تفریق کا کوئی حل نہیں ہے۔ امریکہ کے اکثر شہروں میں صورتِ حال یہ ہے کہ اگر ایک گورے محلے میں کالے کرایہ دار کو رہنے کی جگہ مل جاتے تو پورے محلے میں کرائے گر جاتے ہیں اور کالے علاقوں میں گورے داخل ہوتے ہوئے جان کا خطرہ محسوس کرتے ہیں اور کئی جگہوں پر پولیس بھی بمشکل ہی داخل ہو سکتی ہے۔ پچھلے ۲۵ سال میں جیسے جیسے افریقی نسل کے لوگ روزگار کی تلاش میں شہروں میں داخل

ہوتے گئے گوروں نے شہر چھوڑ کر مضافات کا رُخ کیا۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاستہائے متحدہ کے تقریباً ہر بڑے شہر کے وسط میں افریقی نسل کے لوگوں کی بڑی تعداد آباد ہے اور مضافات اور چھوٹے شہروں میں گوری نسل۔ حال ہی میں صدر نکسن نے دونوں کو باہم ملانے کی ایک اور کوشش میں اسکول بسوں کا انتظام کیا جن کے ذریعے گوری نسل کے بچوں کو اندرون شہر اسکولوں میں لے جانے کا پروگرام تھا۔ اس اقدام کو خود گوری آبادی نے ناکام بنانے کی بھرپور سعی کی۔ زبردست مظاہرے ہوئے اور کئی جگہوں پر گورے بسوں کے سامنے لیٹ گئے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا مرکزی شہر واشنگٹن اب کالوں کی اکثریت کا شہر ہے۔ یہاں نوجوانوں کے ایک پرعزم گروہ نے ۱۹۷۲ء کے شروع میں ایک انقلابی قدم اٹھایا جس کی مثال امریکہ کی تاریخ میں نہیں ملتی اور وہ ہے "جماعت اسلامی شمالی امریکہ THE ISLAMIC PARTY IN NORTH AMERICA کا قیام۔ اس نظریاتی پارٹی کا مرکز الائمہ نامی مسجد میں ہے اور اس کے امیر یوسف مظفر الدین حمید ہیں۔ یوسف صاحب اور ان کے رفقاء کی ہمت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ پوری جماعت ان نومسلموں کی ہے جو پچھلے دس سال میں اسلام کی برکتوں سے مالامال ہوئے۔ ان کی تعداد کم لیکن عزائم بہت بلند ہیں۔ یوسف صاحب کا کہنا ہے کہ امریکہ کے تمام کمزور طبقوں کے مسائل کا حل اسلام ہے۔ قرآن اور حدیث کے مطالعے سے ان کو یقین ہو گیا ہے کہ اصل اور مکمل انقلاب، اسلامی انقلاب ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ اسلام زندگی کے کسی ایک جُز کو درست کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ شب و روز کے تمام معاملات پر حاوی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایمان کی دولت پا جانے کے بعد انسان کی زندگی میں مقصدیت کی حلاوت پیدا ہو جاتی ہے اور ہر ہر انسان کو تشخص (IDENTITY) احساس ذمہ داری اور امید کا جوہر حاصل ہوتا ہے۔ آسائشیں سمیٹنے کی اندھی دوڑ میں انسان بہت آسانی سے حکمرانوں اور سرمایہ داروں کے جال میں پھنس جاتا ہے جس شخص کا خدا خود اس کا نفس ہو وہ اسی کی پیروی کرے گا جو اس کے نفس کی تسکین کر سکے۔ بقول امیر مظفر الدین صدر نکسن کی قوتِ قاہرہ کا سدباب کرنے کی ابتدا کم از کم اس طرح ہونی چاہیے کہ انسان خود اپنی شراب نوشی یا نشے کی عادت کا تختہ اُلٹ سکے۔ دراصل امریکہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے مظفر الدین صاحب کا یہ تجزیہ بالکل درست ہے۔ ایفرو امریکی آبادی کے ایک قابلِ ذکر حصّے کو امریکی معاشرے کے دباؤ نے

اخلاقی کمزوریوں میں اس طرح ملوث کیا ہے کہ اُن کی زندگی ایک طویل گناہ بن کر رہ گئی ہے۔ کئی لوگ یہاں ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ اُن کے پاس کھانے کے لیے کافی رقم نہیں ہوتی لیکن وہ تمام بچی کھچی پونجی ماہانہ قسطوں میں ادا کر کے لمبی لمبی کاروں کے مالک بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ امریکہ میں کاروبار کرنے والوں نے یہ چکر چلا رکھا ہے کہ بے پناہ اشتہار بازی کے زور سے عوام کو آمادہ کرتے ہیں کہ وہ آرام اور سامانِ عیش کے حصول کو زندگی کا مقصد سمجھ لیں۔ یہاں کے نومسلموں نے نوٹ کیا ہے کہ افریقی امریکی آبادیوں کے علاقوں میں اکثر شراب خانوں کے مالک یہودی ہیں۔

قرآن و سنت پر عمل کس طرح کیا جائے اور سرمایہ دارانہ نظام کے عظیم گڑھ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اسلامی انقلاب کس طرح برپا کیا جاتے؟ مظفر الدین صاحب اور ان کے دوستوں کو دورِ جدید میں تحریکِ اسلامی کی سب سے عمدہ مثال جماعتِ اسلامی پاکستان میں نظر آئی اور بیسویں صدی عیسوی کے عظیم مفکرِ اسلام سید مودودی کی کتابوں کے انگریزی تراجم کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ گروپ اپنے لیے ایک واضح لائحہ عمل پا چکا ہے۔

اوّل اوّل مسجد الامہ کا قیام افریقی امریکی مسلمانوں کے باہمی تعاون سے عمل میں آیا۔ اور نومسلموں کو تحریکی جذبہ رکھنے والے دو عرب مسلمانوں نے اسلام کی بنیادی تعلیم دی۔ ان میں سے ایک جن کا نام قیس ہے عراق سے آئے ہوتے ہیں اور دوسرے، عدنان، فلسطینی ہیں۔ وضو کا طریقہ، اذان کیسے دی جاتے، نماز کیسے ادا کی جائے؟ یہ سب اللہ کے ان نیک بندوں نے نومسلموں کو سکھایا۔ قیس مقامی یونیورسٹی میں کیمسٹری پڑھاتے ہیں لیکن دین سے اتنا گہرا لگاؤ ہے کہ زیادہ تر وقت مسجد ہی میں گزارتے ہیں۔ اخوان والا جوش و جذبہ عدنان اپنے ساتھ لاتے۔ اللہ کا فضل ہے کہ مسجد الامہ پانچوں وقت نماز کے لیے کھلی رہتی ہے۔

۱۹۷۱ء کے شروع میں مسجد الامہ سے دو ورقوں کی شکل میں روزمرہ کے مسائل پر اسلام کے نقطۂ نظر سے مختصر مضامین شائع ہونے شروع ہوتے۔ جولائی ۱۹۷۱ء سے "الامہ" نامی رسالہ شائع ہونا شروع ہوا۔ اور پھر نومبر ۱۹۷۱ء سے ایک ماہانہ جریدہ نما اخبار "الاسلام" جاری ہوا۔ اور جنوری ۱۹۷۲ء میں نومسلموں کے اس گروپ نے تبلیغی جماعت سے بڑھ کر ایک تحریکی تنظیم کی شکل اختیار کر لی جس کا نام "جماعتِ اسلامی شمالی امریکہ" رکھا گیا۔ تبلیغی ڈھانچہ بھی مسجد کی شکل میں قائم ہے اور نئے مسلمانوں میں سے جو لوگ غیر معمولی

جذبے اور صلاحیت کا ثبوت دیتے ہیں اُنہیں جماعت میں شامل ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔ تحریک کے اثرات آہستہ آہستہ واشنگٹن اور اطراف کے علاقوں میں پھیل رہے ہیں۔ امریکہ کے دوسرے شہروں میں بھی یہ کام ابتدائی مراحل سے گزر رہا ہے۔ شکاگو اور پٹس برگ میں نومسلموں کی دو تنظیمیں قائم ہوئی تھیں اور چند ماہ ہوتے وہ جماعت اسلامی شمالی امریکہ میں شامل ہوگئیں۔ ڈیٹرائیٹ کے شہر میں نومسلم تحریک سے وابستگی کا اظہار کر رہے ہیں لیکن ابھی وہ دین کی بنیادی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس لیے فی الحال انہیں جماعت میں شامل نہیں کیا گیا۔

جس ماحول سے یہ لوگ اسلام کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں وہ کسی طرح بھی عرب کے زمانۂ جاہلیت سے کم فاسد نہیں ہے لیکن ہر انسان میں نیکی کی ایک آرزو موجود ہوتی ہے اور اُسے اگر حق بات سننے کا موقع مل جائے اور ساتھ ہی کچھ ہمت بھی ہو تو وہ ضرور سچائی کی طرف لپکتا ہے جس ماحول میں امریکی عوام سانس لیتے ہیں اُس میں گناہ انسان کو ہر طرف سے گھیرے ہوتے ہیں اور گناہ کا احساس تقریباً مفقود ہے یا پھر غلاظت کے انبار تلے دبا ہوا ہے۔ اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ انسان کو حیاتِ نو بخشتا ہے اور جوہرِ انسانیت کو بُرے سے بُرے حالات میں بھی اُجاگر کر دیتا ہے۔ مسجد الامہ میں جو لوگ مسلمان ہونے کے لیے آتے ہیں اُن میں سے اکثر کی حالت بہت خراب ہوتی ہے۔ انہیں پہلے یہ بتایا جاتا ہے کہ اپنے پُرانے طریقے مکمل طور پر چھوڑنے ہوں گے۔ اگر وہ کسی عورت کے ساتھ رہتے ہوں تو حکم دیا جاتا ہے کہ یا تو عورت کو فوراً چھوڑ دیں یا اُس سے شادی کریں۔ اگر شراب کی عادت ہو تو اسے چھوڑ دیں۔ پھر انہیں قرآن پاک، حدیث اور سیرت کے بارے میں پڑھنے اور مسجد میں اُن کو درس میں شامل ہونے کو کہا جاتا ہے۔ اُس کے بعد اگر وہ دین میں آگے بڑھتے نظر آئیں تو قرآن، حدیث اور سیرت کے ساتھ ساتھ درج ذیل کتابیں بغور پڑھنے اور انہیں اپنی فکر میں شامل کرنے کے لیے کہا جاتا ہے:

I. TOWARDS UNDERSTANDING ISLAM.

2. PROCESS OF ISLAMIC REVOLUTION.

3. ISLAMIC WAY OF LIFE.

4. ISLAMIC LAW AND CONSTITUTION.

5. COME LET US CHANGE THIS WORLD.

یہ پانچوں مولانا مودودی کی کتابوں کے انگریزی تراجم ہیں۔ ان کے علاوہ سید قطب شہیدؒ کی THIS RELIGION OF ISLAM اور محمد قطب کی ISLAM THE MISUNDERSTOOD RELIGION بھی نصاب میں شامل ہیں۔ حالاتِ حاضرہ کو سمجھنے کے لیے تین کتابیں پڑھنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مولانا مودودی کی ISLAM TODAY، چودھری غلام محمد کی MIDDLE EAST CRISIS اور مصباح الاسلام فاروقی کی JEWISH CONSPIRACY۔

"جماعت اسلامی شمالی امریکہ" نے خود بھی کتابیں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اول اشاعت ایک نومسلم یوسف عبدالنور کا کتابچہ "دعوتِ اسلام" THE ISLAMIC CALL تھی۔ اب جماعت نے بہت شان کے ساتھ مولانا مودودی کی تحریروں کا انتخاب COME, LET US CHANGE THIS WORLD شائع کیا ہے۔ امید ہے کہ اس کے اثرات دُور دُور تک پھیلیں گے۔

جو لوگ تحریک میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں وہ کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں اور مسجد میں آنے لگتے ہیں۔ پھر انہیں رکنیت کا فارم بھرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ یہ درخواست کئی ہفتے تک زیرِ غور رہتی ہے۔ ساتھ ہی امیدوار کو جماعت کے کاموں میں حصہ لینے کا موقع دیا جاتا ہے اور جماعت کا اخبار "الاسلام" بیچنے کے کام پر لگایا جاتا ہے۔ یہ اخبار اب ہر ماہ دس ہزار کی تعداد میں شائع ہوتا ہے اور اکثر جماعت کے امیدوار اسے سڑکوں پر اور بازاروں میں کھڑے ہو کر بیچتے ہیں اس طرح چند ہفتوں تک جماعت کے کاموں میں غیر رسمی شمولیت سے امیدوار کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ آیا وہ درحقیقت جماعت کے نصب العین کو حق سمجھتا ہے یا محض جذباتی لگاؤ کی وجہ سے امیدوارِ رکنیت بن گیا تھا۔

امیدوار سے جو عرضی بھروائی جاتی ہے اس میں وہ درجِ ذیل اقرار کرتا ہے:

"میرے لیے یہ تحریک عین مقصدِ زندگی ہے۔ میرا مرنا اور جینا اس کے لیے ہے۔ کوئی اس پر چلنے کے لیے تیار ہو یا نہ ہو بہرحال مجھے تو اس راہ پر چلنا اور اسی راہ میں جان دینا ہے۔ کوئی آگے نہ بڑھے گا تو میں بڑھوں گا۔ کوئی ساتھ نہ دے گا تو میں اکیلا چلوں گا۔ ساری دنیا متحد ہو کر مخالفت کرے گی تو مجھے تن تنہا اس سے لڑنے میں بھی باک نہیں ہے۔"

مولانا مودودی کے یہ تاریخ ساز الفاظ تحریکِ اسلامی کی اسپرٹ کی ترجمانی کرتے ہیں اور شمالی

امریکہ کے مسلمان انہیں دہرا کر سمجھ لیتے ہیں کہ مسلمان ہونا آسان نہیں اور اسلام ایک مسلسل جہاد کا نام ہے۔
"جماعت اسلامی شمالی امریکہ" کے امیر جناب مظفرالدین حمید کو پورا احساس ہے کہ جیسے جیسے تحریک آگے بڑھے گی مخالف قوتیں اسے ختم کرنے کی کوشش کریں گی۔ یہ جماعت کھل کر اسرائیل اور صیہونیت پر تنقید کرتی ہے اور عوام میں سے صیہونی نفوذ کو نکالنے کی کوشش کر رہی ہے۔
ساتھ ہی ایلیجاہ محمد کے BLACK MUSLIMS سے بھی خطرہ ہے۔ کیونکہ یہ "کالے مسلمان"، جو دراصل مسلمان نہیں ہیں بلکہ ایک شخص فرد محمد کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں، امریکی حکومت کی طرف سے امداد یافتہ سمجھے جاتے ہیں اور ان کی موجودگی امریکہ میں اسلام کے رستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ عوام زیادہ تر BLACK MUSLIMS کے مذہب کو اسلام سمجھتے ہیں اور چونکہ یہ نسلی بنیادوں پر قائم ہے اس لیے گوری حکومت ان کے کام سے مطمئن ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے کسی گورے کا مسلمان ہو جانا ممکن نہیں ہے، بلکہ اس کی بدولت گوروں میں اسلام سے شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ "جماعت اسلامی شمالی امریکہ" سائنسی انداز اور دلیل کے زور سے لوگوں کو محمدِ عربیؐ کے لائے ہوئے دین کی طرف بلا رہی ہے۔ "کالے مسلمانوں" میں ہتھیاروں کی فراوانی ہے اور وہ مخالفین پر حملہ آور ہونے سے نہیں چوکتے۔ اس لیے ڈر ہے کہ آج نہیں تو کل یہ جماعت پر مسلح حملہ کریں گے۔
اسی طرح افریقی امریکی آبادی میں جو کمیونسٹ ہیں وہ بھی بندوق کی نالی پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہنے کو تو یہاں متحدہ جمہوریت ہے لیکن یہاں فاشسٹ اور کمیونسٹ دونوں قسم کے رجحانات موجود ہیں اور مخالفین کو تشدد کا نشانہ بنانے کی روایت بھی عام ہے۔ اسی لیے جماعت کے ارکان کو جذبۂ جہاد کا بہت خیال رہتا ہے اور اسی جذبے کو پوری طرح ابھارنے کے لیے "الجہاد فی الاسلام" کا قسط وار ترجمہ "الاسلام" میں شائع کیا جا رہا ہے۔ مکمل ہو جانے پر یہ ترجمہ کتابی شکل میں آ جائے گا۔
سقوطِ مشرقی پاکستان کا مسجد الامر سے تعلق رکھنے والے تمام مسلمانوں کو بہت رنج ہے۔ ایک صاحب پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی اور وجہ یہ بتائی کہ جب جماعت اسلامی پاکستان کو بچانے میں ناکام ہو گئی ہے تو ہم امریکہ میں کیونکر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن امیر جماعت یوسف حمید اور دیگر رفقاء اس ردِعمل کو بالکل غلط سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان میں جماعت اسلامی ناکام نہیں ہوئی بلکہ پاکستان کے عوام سیاسی طور پر ناتجربہ کار اور دینی حیثیت سے

بے علم ہونے کے باعث نا اہل لوگوں کے ہاتھوں میں اپنی قیادت دے کر بھٹک گئے ——

انہیں فخر ہے کہ مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی نے مسلح ہو کر ملک کا دفاع کیا اور جان پر کھیل کر ملک کو بچانے کی کوشش کی۔ ان سب کی دعا ہے کہ پاکستان کے عوام جلد از جلد مارِ آستین قسم کے لوگوں سے نمٹ لیں اور اسلامی نظام کی طرف اپنا سفر جاری رکھیں۔ ہمارے فلسطینی دوست عدنان جب مسجد الامہ میں ملے تو سخت اضطراب کی حالت میں تھے۔ کہہ رہے تھے یقین نہیں آتا کہ کروڑہا مسلمانوں کے ملک میں ہندو دشمن اتنی آسانی سے کیسے داخل ہو گیا اور یہ کیا بات ہے کہ قادیانی کھلم کھلا مملکتِ خداداد میں دندناتے پھرتے ہیں اور کوئی ان میں خدا کا خوف ڈالنے والا نہیں ہے۔ میں نے انہیں بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ پاکستانی قوم میں ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اسے نئی زندگی بخش سکیں اور اس قابل بنا سکیں کہ وہ عزت کی زندگی گزار سکے۔

مسجد الامہ کے پُر جوش مؤذن کی اذان مجھے کبھی نہ بھولے گی۔ امیر جماعت یوسف صاحب کا سنجیدہ چہرہ اور اسلامی داڑھی اور اُن کے ہاں گزارے ہوئے چند پاکیزہ دن یاد آتے ہیں تو دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ انہیں اور اُن کے رفقاء کو ثابت قدم رکھے اور انہیں تقویٰ کی نعمتوں سے مالا مال کرے۔

قوموں کے عروج و زوال — انقلاباتِ عالم کے داخلی اور خارجی محرکات — تہذیب و تمدن کی ترقی و انحطاط کے بارے میں مغربی مفکرین شپنگلر، ہیگل اور مارکس نے جو کچھ کہا ہے اس کی فکر انگیز تصریح اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا تجزیہ و تنقید اس کے علاوہ اسلامی فلسفہ تاریخ کی تشریح و توضیح

عبدالحمید صدیقی کی انگریزی کتاب

A PHILOSOPHICAL INTEPRETATION OF HISTORY

"تاریخ کی فلسفیانہ تعبیر" میں ملاحظہ فرمائیے قیمت دس روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ ترجمان القرآن، اچھرہ - لاہور (پاکستان)